مولانا مفتی آصف محمود
مدرس جامعہ عثمانیہ گلشن عمر پشاور

خلیفہ کے انتخاب کا طریقہ کار

انسانیت آج بہت سے مسائل کا شکار ہے اور اسی دلدل سے نکلنے کے لیے بیتاب و بے چین ہے۔ انسانی عقل نے جب بھی اجتماعی نظام وضع کیا انسانیت کو مایوس ہونا پڑا ان نظاموں کی ناکامیوں کی وجہ یہ نہیں کہ خوامخواہ ان کے بانیوں کی نیتیں وارادے خالص نہ تھے۔ بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ یہ تمام نظام وحی والہام کی تعلیمات سے بالکل عاری ہوتے ہیں جو ظاہر ہے قانون فطرت اور انسانی مزاج ونفسیات سے ہم آہنگ نہ ہونے کی وجہ سے بالآخر ناکامی کا منہ دیکھ لیتے ہیں۔

اسلام نے نظام اجتماعی کے لیے جو خاکہ پیش کیا ہے اس کی بنیاد وحی پر قائم ہے جسے نظام خلافت کہتے ہیں جو کہ اہل زمین کے لیے سراسر رحمت ہے اس نظام میں اہل اقتدار اور حاکم اپنی مرضی وصوابدید کے بجائے ہر امر و معاملے میں امر خداوندی کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے، خلافت کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں اللہ کی بندگی کو قائم کیا جائے نیکی کے لئے وراستی کا ظہور ہو اور برائیوں کے مٹانے کا اہتمام کیا جائے۔

علامہ ابن خلدون کے مطابق خلافت عوام کو شرعی نقطہ نظر کے تقاضوں کے بموجب دینوی اور اخروی بہبود کی طرف رہنمائی کرنے کا نام ہے کیونکہ دنیاوی کام بھی آخرت کی طرف لوٹتے ہیں دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ شرع کی نگاہ میں آخرت کی مصلحتوں کے لیے کیا جاتا ہے اس لیے خلافت حقیقت میں شارع علیہ السلام کی نیابت وجانشینی ہے تاکہ خلیفہ دین کی حفاظت کرے اور دنیوی حکومت شرع کے مطابق قائم کرے یہی وجہ ہے نظام خلافت روحانیت واخلاقیات کے ساتھ ساتھ انسانی مساوات، مستحکم متوزان نظام معیشت، انصاف پر مبنی عدالتی نظام اور خوشحال و پر امن معاشرے کی تشکیل، مثبت وحوصلہ افزاء رائے عامہ پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے خلیفہ کی تقرری حالت امن ہو یا حالت جنگ شرعی طور پر واجب ہے اگر کہیں دنیا میں امامت وخلافت کا نظام رائج ہو تو تمام مسلمان بری الذمہ ہیں ورنہ قائم نہ ہونیکی صورت میں خصوصی طور پر امامت کے اہل لوگ اور سلطنت کی بھاگ ڈور سنبھالنے والے اہل حل وعقد گناہگار ہونگے جبکہ عمومی طور پر ہر مسلمان پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے موافق اس نظام ربوبیت کے انعقاد کے لیے سعی وکوشش کرے۔

اس نظام کا سربراہ امیر یا امام کا تقرر کسی ایک قانونی اصول اور سیاسی حکم کا پابند نہیں ہے اس کا تقرر ایک عام انتخابی مہم ہے جس کے لیے چند قانونی اصول اور ایک سے زیادہ صورتیں اور شرطیں متعین ہیں جن میں سے ہر اصول ہر

شرط، ہر صورت اور ہر قانون وضابطہ قرآن وسنت واجماع کا تابع ہے۔جس میں دین کے تحفظ رائے عامہ اور مرضی عامہ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

شخصیت خاندانی وراثت اور شہنشائیت کا کوئی عمل ودخل نہیں یہ اصول اور صورتیں خدا کے ارادہ اعلیٰ کے ماتحت اور ریاست عامہ کے نشونما، منظم ارتقاء ماحول کے تقاضوں اور معروضی حالات کی بناپر اپنا چہرہ دکھاتی ہیں معاشرے کے مقصد کو بھی پورا کرتی ہے۔اور امن واطمینان کے ساتھ اقتدار کی منتقلی عمل میں آتی ہے۔چنانچہ فقہاء اسلام نے خلیفہ وسربراہ کی تقرری کے لیے درجہ ذیل طریقے ذکر کیے ہیں۔

(۱) الاختیار اہل الحل والعقد (یعنی اہل وعقد کا انتخاب)

(۲) الاستخلاف (یعنی سابقہ خلیفہ کی نامزدگی) (۳) الشوریٰ

پہلے طریقہ کار کے مطابق قوم کے ارباب وحل عقد یعنی ذمہ دار لوگ خلیفہ کے انتخاب کے وقت کسی جگہ جمع ہوجاتے ہیں۔آپس میں آزادانہ طور پر بحث وتکرار وباہمی مشورہ کے بعد خلیفہ کو نامزد کرتے ہیں پھر یہی جماعت اہل حل وعقد ان کے ہاتھ پر بیعت کرلیتی ہے۔اور امت کے لیے ان کے اطاعت واجب ہوجاتی ہے اور وہ بھی عمومی بیعت میں شریک ہوجاتے ہیں اسطرح ان کی خلافت منعقد ہوجاتی ہے۔

اس طریقہ کے مطابق سب سے زیادہ ذمہ داری ارباب حل وعقد پر پڑتی ہے کیونکہ امام کی انتخاب میں امت کا ہر فرد یکساں کردار ادا کرسکتا ہے اس لیے کہ یہ بہت بھاری ذمہ داری ہے امت میں ہر قسم کے لوگ موجود ہوتے ہیں قوی، ضعیف، عالم، جاہل، عاقل، نادان، خواہشات پر چلنے والے وغیرہ۔

لہذا اس اہم ذمہ داری کو قوم اور ملت کے ذمہ دار وباعتماد افراد اہل رائے دانشور، علماء، فوجی سرداروں وغیرہ کے گردنوں پر ڈالی جاتی ہے کیونکہ ان لوگوں کا انتخاب یقیناً شہوات نفسانیہ، قلبی تعصبات، طمع ولالچ اور فاسد اعراض سے پاک ہوگا اور امت کے لیے بہترین قیادت فراہم کرے گا۔

اور یہی طریقہ ہی اسلام کے مزاج ومذاق کے عین مطابق ہے۔اس میں شورائی طرز اور مرضی عامہ کا لحاظ رکھا جاتا ہے خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کا انتخاب اس طرز سے ہوا تھا چنانچہ امام النووی نے اس طریقہ پر اجماع نقل کیا ہے۔

<u>الاستخلاف:</u> خلیفہ کے انتخاب کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خلیفہ اپنی زندگی میں کسی ایسے شخص کو اپنے موت کے بعد خلیفہ بننے کی وصیت کرے جس میں خلافت کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں یا شخص تو متعین نہ ہو لیکن وہ مخصوص صفات کا تعین کرکے یہ وصیت کرے کہ میرے بعد ان صفات والا شخص خلیفہ ہوگا اور امت پر لازم ہوگا کہ اس شخص کو خلیفہ بنائے

بعض علماء نے اگرچہ خلیفہ کی نامزدگی کو اس کی خلافت کے انعقاد کے لیے کافی سمجھتے ہیں لیکن درست اور صحیح بات یہ ہے کہ محض خلیفہ کی نامزدگی سے خلافت منعقد نہ ہوگی بلکہ اہل حل وعقد کی رضامندی وبیعت ضروری ہے کیونکہ یہ

ہو اس کے علاوہ خلیفہ دیانتدار اور اعلیٰ اخلاق والا ہو۔ صاحب الرائے ہو اور منصب خلافت میں حریص نہ ہو قریشی ہو اس میں شک نہیں کہ اسلام رنگ ونسل ووطن اور قومیت کی بنیاد پر کسی امتیاز و برتری کا روادار نہیں ہے۔ لیکن خلافت پوری امت کا اجتماعی مسئلہ ہے اس لیے اس سلسلے میں اسلام نے وہ تمام اصول وقوانین ضروری قرار دئے ہیں جو امت مسلمہ کی یکجہتی اور اتحاد واتفاق میں ممد ومعاون ہو سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ خلافت کے استحقاق کے سلسلے میں خاندان قریش کو ضروری قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہی قبیلہ پوری اسلامی دنیا کو متفق ومتحد کرسکتا ہے ایک تو اس لیے کہ شروع ہی سے یہی قبیلہ ایک قائدانہ صلاحیت سے مالا مال ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کا تعلق اسی قبیلہ سے ہے۔ لہذا ہر مسلمان روحانی اعتبار سے بھی اس قبیلے سے خوب وابستہ ہے یہی وجہ ہے کہ شارع نے خلافت کا استحقاق اس قبیلے کے ساتھ خاص کردیا۔ اوراس سلسلے میں روایات کا ایک ذخیرہ ملتا ہے جیسا کہ بخاری میں ہے۔ "ان هذا الامر فی قریش لایعادیهم احد الاکتبه الله فی النار علی وجهه ما اقاموا الدین"

یہ امر یعنی خلافت اور سرداری قریش ہی میں رہے گی جب تک وہ دین اور شریعت کو قائم رکھے اور جو کوئی دشمنی کرے گا۔ تو اللہ اسے اوندھے منہ دوزخ میں گرائے گا۔

بعض علماء کے نزدیک اگرچہ غیر قریشی کی خلافت بھی منعقد ہوسکتی ہے تاہم جمہور علماء نے اس کو شرط قرار دیا ہے لہذا بوقت انعقاد اس کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیے۔

واضح رہے شرعی طور پر خلیفہ کی تعین وانعقاد میں اہل حل وعقد کی پہچان اور معیار ان کی دینی کارناموں اور ان کی دینی حیثیتوں سے آسانی سے ہوجاتی تھی۔ جس طرح حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد عام لوگوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ بیعت کرنے کا کہا تو حضرت علیؓ نے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اہل بدر کا کام ہے وہ جس سے راضی ہوں گے اس کو امیر المؤمنین بنایا جائے گا۔ چنانچہ تمام اہل بدر نے جمع ہوکر باہمی مشاورت کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

علامہ ماورویؒ کے مطابق اہل حل وعقد کی تعین وتقرری خلیفہ کی ذمہ داری ہے۔ اوران کا حق ہے لیکن موجودہ زمانے میں اہل ہوس کی کثرت ہے اتنے اہم مسئلہ کو امیر کے مرضی پر چھوڑ دینا کہ وہ جسے چاہے نامزد کرائے کسی طرح مناسب نہ ہوگا۔ اس لیے یہ بات ضروری ہوگی کہ خلیفہ کے لیے دینی علمی اور ظاہری حالات کو ملحوظ رکھ کر ایک معیار متعین کردیا جائے پھر موجودہ پارلیمنٹ کی طرح رائے عامہ سے ارباب حل وعقد کی ایک مجلس (پارلیمنٹ) منتخب ہو یہ ارباب حل وعقد بھی ان اوصاف کے حامل ہوں جسے فقہاء نے اہل الاختیار کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ جیسے اسلام عقل، مرد ہونا، آزاد ہونا، عدالت، علم، دانائی وحکمت وغیرہ وہ خود امیدوار نہ ہوں بلکہ الیکشن کمیشن وغیرہ یا اسطرح کوئی غیر جانبدار ادارہ ہو جو مسلمانوں کے باثر افراد میں سے ایسے لوگوں کا نام پیش کر کے الیکشن کرائے اور یہی منتخب ارکان کثرت رائے سے امیر کا انتخاب کریں۔

ارباب حل وعقد کے لیے ضروری ہے کہ وہ خلیفہ کی تقرری میں سستی کا مظاہرہ نہ کریں اور وہ اس بات کی

بات اسلامی تاریخ سے بالکل عیاں ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنے بعد خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا تو بڑے بڑے جلیل القدر انصار و مہاجر صحابہؓ سے مشورہ کیا تھا اور انہوں نے آپؓ کی موافقت کی تھی اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ کو نامزد کیا اور ان کے ہاتھ پر عام و خاص سے بیعت لی۔

فقہی اعتبار سے اگر چہ باپ بیٹے کی ولیعہدی بعض فقہاء کے رو سے جائز ہے لیکن احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اصول و فروع کے لیے ولی عہد کا اہتمام نہ کیا جائے کیونکہ اس میں شبہ رہتا ہے خلفائے راشدین میں سے کسی نے بھی اپنے بیٹے کو ولی عہد نہیں بنایا تھا اگر چہ وہ اس وقت بڑے صحابہ میں سے تھے جب انہوں نے اپنی اولاد کے لیے ایسا نہیں کیا تو پھر ان کی اقتداء میں ہی دانشمندی ہے خلفائے راشدین کے بعد تاریخ اسلامی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ولی عہدی گویا موروثی حق سمجھا گیا۔حتیٰ کہ نابالغ و کم سن بچوں کو بھی اس بار امامت کی وصیت کر کے اس شرعی و جائز طریقے کا برملا مذاق اڑایا گیا اور اپنے محبوب ولاڈلے بیٹے کو ولی عہد نامزد کرنے کے لیے خاندانی قرابت کا شیرازہ بکھیرنے سے بھی احتراز نہیں کیا گیا جس سے ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔لہذا فتنے وفساد کے دروازے کو مزید آزمائشوں سے بچنے کیلئے سد ذرائع کے تحت بند کرنا چاہیے۔

__الشوریٰ:__ یہ بھی استخلاف کی ایک صورت ہے البتہ اس طریقہ کار میں خلیفہ اپنے بعد کسی ایک شخص کو خلافت کے منصب کے لیے متعین کرنے کی بجائے خلافت کے منصب کے اہل افراد کی ایک جماعت بناتی ہے اور وہ بھی باہمی مشاورت اور رائے عامہ سے کسی ایک پر متفق ہو کر خلیفہ کا انتخاب کرتی ہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اس طریقہ کے مطابق ہوئی تھی یہ طریقہ اگر چہ استخلاف سے ملتا جلتا ہے۔مگر شاہ ولی اللہؒ نے اس کو خصوصیت کے ساتھ ''ازالۃ الخفاء'' میں مستقل طریقہ شمار کیا ہے۔

اسطریقے کی خوبی یہ ہے کہ امت کو ایک سے زیادہ اہل افراد پیش کے جاتے ہیں اور وہ آپس کے مشورے سے اور عوام کی رائے معلوم کرنے کے بعد خلیفہ کا انتخاب کرتے ہیں۔

__استیلا وغلبہ:__ استیلا وغلبہ کے ذریعے سے مسند خلافت پر بیٹھنے والے شخص کی خلافت و امامت اگر چہ منعقد ہو جاتی ہے خصوصاً جب خلیفہ سابق مر چکا ہو اور غلبہ حاصل کرنے والا شخص خلافت کے شرائط و اوصاف کا حامل بھی ہو تاہم کسی خلیفہ کی موجودگی میں جنگ و جبر سے عسکری وفوجی انقلاب سے خلیفہ کو ہٹا کر خود مسند خلافت پر بیٹھنا فقہی نقطہ نظر سے جائز نہیں تاہم غلبہ کے بعد ان کی خلافت منعقد ہو جاتی ہے اور جائز امور میں مسلمانوں پر انکا اتباع بھی لازم ہے۔البتہ گر غالب ہونے والا شخص سرے سے مسلمان نہ ہو بلکہ کھلا کافر ہو۔تو اسکی نہ اطاعت واجب ہے بلکہ اس کے ہٹانے کی تحریک چلانا ضروری ہے۔لہذا لوگ ایسے متغلب کافر حاکم کے ہٹانے پر قادر ہوں تو ان پر جہاد واجب ہے۔

__خلیفہ کے اوصاف:__ فقہاء نے خلیفہ کے لیے اوصاف کا تعین بھی کیا ہے چنانچہ خلیفہ مسلمان ہو مکلف ہو مرد ہو آزاد ہو صحیح اعضاء وحواس کا مالک ہو۔اور تصرفات پر آزادانہ طور سے قادر ہو شرعی احکام کے جاننے میں خوب ماہر

کوشش کرینگے کہ وہ ایسے شخص کو نامزد کریں جو خلافت کے تمام شرائط پر پورا اترتا ہو اور امت کے حق میں بہتر اور سود مند ہو عصر حاضر کے مسائل بہتر طریقے سے حل کرنا جانتا ہو' دینی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے نبھا سکتا ہو اور لوگ اس کی اطاعت میں رغبت رکھتے ہوں چنانچہ اہل حل وعقد اس منصب کو نامزد ہونے والے شخص پر پیش کریں گے۔ اگر اس نے قبول کیا تو ان کے ہاتھ پر اہل حل وعقد بیعت کریں گے۔ جس کے بعد تمام لوگوں پر اس نامزد خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا ضروری ہے۔ اور ان پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ اگر اس منصب سے وہ انکار کرے تو پھر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ دوسرے شخص کو منتخب کریں گے۔

واضح رہے کہ اگر خلافت کے اہل افراد ایک سے زیادہ ہوں اور وہ تمام یکساں صفات کے مالک ہوں تو اس صورت میں اس شخص کو ترجیح دی جائے گی جس کی عمر زیادہ ہو اگر چہ اہل حل وعقد کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کم عمر والے آدمی کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ اسی طرح اگر خلافت کے اہل افراد صفات کے لحاظ سے مختلف ہوں تو اس صورت میں معروضی وسیاسی حالات کا جائزہ لیا جائے گا جس شخص کی تعین اہل حل وعقد مناسب سمجھیں اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔ مثلاً ایک علم میں پختہ ہو اور دوسرا شجاعت وبہادری میں ممتاز ہو تو اس صورت میں اگر ملک میں جہالت وبدعات کا چرچا ہو تو علم میں پختہ کار شخص کو ترجیح دی جائے گی۔ اور اگر ملکی حالت تشویش ناک ہوں بغاوت کا خطرہ ہو یا سرحدات غیر محفوظ ہوں تو اس صورت میں شجاع اور بہادر شخص کو خلیفہ بنایا جائے گا۔

اگر خلافت کے کئی اہل افراد نے خلیفہ کے تعین وتقرری میں جھگڑا کیا یعنی ہر ایک اپنے کو خلافت کا مستحق سمجھتا ہو تو اس صورت میں بعض فقہائے کرام کی رائے یہ ہے ان سب کو امامت سے محروم کیا جائے گا۔ اور ان کے علاوہ کسی اور کا انتخاب کیا جائے گا۔ مگر جمہور علماء اس بات کو خلافت کیلئے مانع نہیں سمجھتے اور نہ خلافت کی خواہش کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ البتہ بعض فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جب دو شخص برابر حقوق کے موجود ہوں تو ان میں سے ایک کو دوسرے پر کس طرح ترجیح دی جائے گی اور کیونکر اس کا فیصلہ کیا جائے گا ایک گروہ کا خیال ہے کہ ان دونوں کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی۔ دوسرے گروہ علماء کا خیال ہے کہ اہل حل وعقد کو اختیار ہے کہ وہ بغیر قرعہ اندازی کی جس کے ہاتھ پر چاہیں بیعت کرلیں۔

اس میں شک نہیں کہ اسلامی تعلیمات اہم قومی، عملی ودینی ذمہ داریوں کے بارے میں رائے عامہ کی رعایت کرتی ہیں تاہم مروجہ مغربی طرز پر ہونے والے انتخابات میں سیکولر لسانی اور قومی بنیادوں پر بننے والی ہر قسم کی پارٹیاں حصہ لیتی ہیں۔ جو کہ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے میل نہیں کھاتیں۔ تاہم دینی طبقہ اگر مکمل طور پر اس سے کنارہ کش ہو جائے تو فائدے کی بجائے نقصان زیادہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ دینی پارٹیوں کی وجہ سے کسی نہ کسی انداز میں غیر اسلامی قوتوں کو دبنا پڑتا ہے اور اہل اقتدار کو خلاف شرع امور کی نشان دہی کرتے ہوئے منکرات سے بچنا آسان ہوتا ہے تاہم مروجہ انتخابات کو اصل نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے بددیانتی ووٹروں کی اندارج

میں خرد برد، حریف کی تذلیل، جھوٹے اور ناممکن وعدے، سیاسی رشوت، گھناونے جرائم، عداوت اور منافرت کی فضا، سیاسی دھڑے بازی، وحدت ملی کا فقدان جیسے مروجہ انتخابی برائیوں سے دور رہنے کی شدید ضرورت ہے۔ اور اصل اسلامی سیاست، اہل حل وعقد کی اہمیت وطریقہ کار کی طرف پیش قدمی کرنی چاہیے۔

اس میں شک نہیں مسلم دنیا میں احیاء وتجدید کی امنگ روز بروز ترقی کرتی جارہی ہے لیکن آج دنیا کے کسی حصہ میں خلافت قائم نہیں۔ بلکہ مسلم دنیا بغیر کسی نظام مرکزیت کے اپنے اپنے ممالک میں وطن اور قومی تنظیم میں مصروف ہے آپس میں کوئی ہم آہنگی ویکجہتی نہیں بلکہ غیر اسلامی طاقتیں مسلمانوں پر مسلط ہیں۔ جمہوریت، کمیونزم اور فسطائیت سے اسلام کا مقابلہ اس وقت ہوا جبکہ دنیا کے کسی حصے میں اسلام کا نظام عمل پیرا نہ تھا ان نظاموں کے مسلسل ناکامیوں کے بعد دنیا کے حساس مفکرین کی نظریں ایک مرتبہ پھر مجبور ہوگئی ہیں۔ آج انسان اپنی ذہن کی تمام تدابیر کو بیکار ولا حاصل سمجھ کر ایسے دین کی تلاش میں ہے۔ جو اسے نہ صرف اس زندگی کے بعد آنے والے دور کی امید اور انفرادی نجات کے عقیدہ میں محدود رکھے۔ بلکہ جو اس دنیا کے تمام پیچیدہ مسائل کا حل پیش کرے جو انسانوں کی باہمی رقابت اور دشمنی کو آپس کی محبت ورواداری سے بدلکر انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دے۔ اور اس کے مقام وحیثیت کے مطابق اس کو اس زمین پر پرامن زندگی بسر کرنے کا طریقہ بتائے موجودہ علوم وانکشافات فطرت نے انسانی مسائل میں جو پیچیدگیاں پیدا کردی ہیں ان کو دور کر کے ان جدید معلومات سے انسان کو مناسب طور سے فائدہ اُٹھانے کا موقع دے جو زمین سے بے روزگاری، سرمایہ داری ملوکیت، اور تجارتی جنگوں کا خاتمہ کردے۔ اب فریاد وماتم کا وقت نہیں رہا۔ نہ منزل کی تعین میں مزید غور وفکر کی مہلت بہت جلد زمانہ ایک نظام نو (New order) کی بنیاد ڈالنا چاہتا ہے پس شان حق کی رہنمائی کے لیے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر نظام خلافت کی طرف پیش قدمی کرنی چاہیے مگر یہ سب کچھ جذباتی انداز میں نہ ہو بلکہ حالات حاضرہ اور زمینی حقائق کا جائزہ لیکر مستقل منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ انقلابی تحریک کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے نقشہ کے اندر کام کرے جس کے خطوط واضح ہوں۔ جس کے مختلف مراحل متعین ہوں اور جس کے مقاصد واہداف اور ان کے حصول کے ذرائع ومسائل معلوم ہوں رکاوٹوں کا دوسرے داخلی وخارجی عناصر کا نقشہ پہلے سے معلوم ہو۔ موجودہ دور میں ۵۵ سے زائد اسلامی ممالک میں جہاں مسلمان ہی حکمران ہیں۔ ان میں بعض تو مکار دشمنوں کے آلہ کار ہیں اور بعض ان سے سخت مرعوب اور ان کی اندھی تقلید کے شکار ہیں لیکن پہلے ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اسلامی دنیا میں خلافت راشدہ کے طرز پر وحدت واتفاق کس طرح ممکن ہے اور کس طرح اقتدار صحیح معنوں میں اسلام کے سچے علمبرداروں اور پیروں کاروں کے ہاتھ میں ہو چنانچہ انقلاب کے لیے ایک سے زائد راہیں ہوسکتی ہیں۔ مثلاً حکمرانوں کو کس طرح قائل کر کے اسلامی قوانین واحکام نافذ کرنے سے بھی آہستہ آہستہ یہ مقصد پورا ہوسکتا ہے فوجی وعسکری طریقے سے بھی انقلاب آسکتا ہے۔ یعنی قوت وطاقت کے بل بوتے پر اقتدار پر قبضہ کر کے ہر کام خدا کے احکام وشریعت کے مطابق چلنے لگے۔ لیکن فوجی انقلاب وہاں آسکتا ہے جہاں کے حکمرانوں سے کھلم کھلا کفر صادر ہوا ہوتا ہم

اگر ان کے افعال واقوال بظاہر کفر تک نہ پہنچے ہوں تو اسلام ایسے حکمرانوں پر خروج کی اجازت نہیں دیتا اسی طرح عصر حاضر میں فوجی انقلاب رائج الوقت قوانین کے تصادم کا ذریعہ ہی بنتا ہے جو جلد یا بدیر تحریک کو ایسے خطرات سے دوچار کر دیتی ہے جس کے نتائج منشا اور توقع کے مطابق نہیں نکلتے دوسری بات یہ ہے کہ فوجی انقلاب کی تیاری خفیہ سرگرمیوں میں ہوتی ہے ان خفیہ سرگرمیوں میں بعض اوقات غیر معروف اور ناقابل اعتماد عناصر شامل ہو جاتے ہیں۔ جو تحریک کو آغاز سے پہلے سخت آزمائشوں سے دوچار کر دیتے ہیں۔

عوامی عسکری وفوجی قوت باقاعدہ سرکاری جدید اسلحہ سے لیس افواج کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی نہیں ہوسکتی ہیں خواہ اس عسکری قوت کو کتنی تربیت دی گئی ہو زمانہ قریب میں اس کی بے شمار مثالیں اور ان گنت تجربات ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔

صحیح اسلامی زندگی کا احیاء نہ حکومت کی ارڈی ننسوں کے ذریعے پایہ تکمیل کو پہنچ سکتا ہے اور نہ یہ منزل فوجی انقلاب، زبانی وعظ وارشاد اور جزوی اجتماعی کاموں کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے۔ بلکہ ضروری ہے کہ ایک عالمگیر بیداری کی تحریک شروع ہو۔

ایک ایسی تحریک جو اسلامی نظام کے قیام کی تمہید ہو اس مطلوبہ اسلامی نظام کے لیے اجتماعی جدوجہد کی اشد ضرورت ہے۔ سب سے پہلے ایمان کی تجدید کی تحریک ہو۔ عالم اسلام اگر دنیائے انسانیت میں نئی روح اور نئی زندگی پیدا کرنا چاہتا ہے اور دنیا کی موجودہ مادہ پرستی اور شک واضطراب پر فتح حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو اپنے اندر نئی ایمانی روح، تازہ اور غیر متزلزل یقین اور نیا جوش وخروش پیدا کرنا ہوگا۔

اسی طرح سیاسی وفکری شعور کو پیدا کرنا ضروری ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ تعلیم کے عزم اور علوم کی اشاعت سے شعور کی بیداری میں بڑی مدد ملتی ہے لیکن شعور پیدا کرنے کے لیے بہر حال مستقل جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اسلامی دنیا کی معروضی حالت کے پیش نظر ابتداء ہر اسلامی ملک کی سطح پر اسلامی نظام کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے۔

خاص کر تعلیم، قانون، معیشت، نشرواشاعت اور معاشرت کو اسلامی سانچے میں تبدیلی سے پیش رفت ثابت ہوگی۔ جب عام یا اکثر اسلامی ممالک کو صالح قیادت مل جائے گی۔ تو رفتہ رفتہ مسلمان ملکوں کے درمیان اسلامی مشترکہ تعاون کے منصوبے وجود میں آجائیں گے۔

ایک مشترکہ ادارہ سربراہان کی سطح پر قائم ہونا چاہیے جو ایک مؤثر اور طاقتور ''اسلامی دولت مشترکہ'' کے طور پر وجود میں آجائے جو عالمی طور پر مسلمانوں کی موثر نمائندگی کرے اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان ممالک کے اتحاد واتفاق کی فضا کو ہموار کرنے اور ایک دوسرے پر اعتماد وبھروسہ کو بحال کرنے کے لیے تمام اسلامی ممالک کے سرکردہ علماء، سکالرز، اور دانشوروں کی تنظیم کا انعقاد کیا جائے تاکہ وہ دینی وسیاسی مسائل میں اسلامی ملکوں کی رہنمائی کر کے یکجہتی کی طرف پیش قدمی ہو جائے کوئی جسم اس وقت تک تندرست وتوانا نہیں رہ سکتا جب تک اس میں

نئے اور صاف خون کی تولید کی استعداد نہ ہو۔

لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ ہم اسلام کو ان قوموں اور طبقوں تک پہنچائیں جو ابھی اسلام کی دولت سے بے خبر اور محروم ہیں ہمیں ان کو مسلموں کی زندگی میں اسلام کی صداقت اور رسول ﷺ کی رسالت وامامت عالم پر اس درجہ کا یقین ،ذات نبوی ﷺ کے ساتھ عشق و شیفتگی اور اسلام کی برتری کے لیے ایسی جدوجہد اور سرفروشی دیکھنے میں آئے گی ۔جس کے سامنے ہم پشتی مسلمانوں کو شرم آئے گی ۔البتہ غیر مسلم دنیا میں دعوت دین کی حکمت عملی ابتدائی طور پر نظام اقتدار کے بجائے نظام عقائد کو پیش کرنی چاہیے یعنی اسلام کے نظریہ فکر کو جو آج کے نظریاتی دور اور اہل مغرب کی نفسیات کے عین مطابق ہے۔ان ممالک میں مسلم اقلیتیں اسلامی نظام خلافت کے استحکام سے پہلے آزادی کا مطالبہ نہ کریں ورنہ وقت سے پہلے مطالبہ پوری اسلامی دنیا کی بقاء کے تسلسل اور مفادات کو خطرے سے دوچار کرسکتا ہے۔

خلافت کے انعقاد کی سب سے زیادہ ذمہ داری عالم عرب پر عائد ہوتی ہے ایک تو اس وجہ سے کہ دنیا کے نقشے میں سیاسی طور پر یہ بہت اہمیت رکھتا ہے دوسری یہ کہ وہ ان قوموں کا گہوارہ ہے جنہوں نے انسانی تاریخ میں سب سے اہم کردار ادا کیا اس کے سینے میں دولت وطاقت کے عظیم الشان خزانے محفوظ ہیں۔وہ عالم اسلامی کا دھڑکتا ہوا دل ہے جو ہر وقت اسکا دم بھرتا ہے اور اس کی محبت وفاداری میں سرشار رہتا ہے۔

عرب کے قائدین اور ذمہ داروں کے لیے سب سے اہم کام یہ ہے کہ وہ عربی فوج، کسانوں ،تاجروں، اور جمہور کے ہر طبقہ میں ایمان کی تخم ریزی کریں۔ان میں جہاد کا جذبہ، جنت کا شوق اور ظاہری آرائشوں کی تحقیر واہانت کا احساس پیدا کریں ۔ان کو خواہشات نفس اور زندگی کی مرغوبات پر قابو حاصل کرنے خدا کے راستے میں مصائب اور تکلیفیں برادشت کرنے مسکراتے چہروں کے ساتھ شہادت کا استقبال اور اس پر پروانوں کی طرح گرنے کا سبق دیں تا کہ مسلسل جدوجہد ومحنت سے دنیا اس مصیبت سے نجات پائے جس میں وہ مبتلاء ہے زمین کا نقشہ بدل جائے عالم اسلامی کی قیادت کا بیڑہ اٹھائے اور مکمل تیاری کے بعد غیروں سے آنکھیں ملاسکیں اور اپنے ایمان، دعوت کی طاقت اور خدا کی نصرت سے اس پر غالب آکر اور دنیا کو شر سے خیر کی طرف لے آئے آج بھی قرآن کی یہ آیت عالم عرب سے کچھ تقاضا کرتی ہے۔

”ما کان لأهل المدينة و من حولهم من لأعراب ان يتخلفوا عن رسول الله ولا يرغبوا بانفسهم عن نفسه“ (١٢٠/التوبہ)

ترجمہ:”مدینہ کے باشندوں کو اور ان اعرابیوں کو جو اس کے اطراف میں بستے ہیں لائق نہ تھا کہ اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دیں اور پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ بات لائق تھی کہ اس کی جان کی پروانہ کر کے محض اپنی جانوں کی فکر میں پڑ جائیں۔“